ترکی کی تحریک آزادی اور سعید نورسی

از جناب ثروت صولت صاحب

پہلی عالمگیر جنگ کے زمانے میں روس کی قید سے رہا ہو کر ترکی واپس پہنچنے کے بعد استاد بدیع الزمان سعید نورسی استنبول کے نواح میں چاملیجہ[1] (CAMLICA) کی پہاڑی کے ایک گوشہ میں اپنے بھتیجے اور متبنّٰی عبدالرحمن کے ساتھ رہنے لگے۔ ان کی ترکی واپسی پر استنبول کے علمی حلقوں میں مسرت کا اظہار کیا گیا اور شیخ الاسلام مصطفےٰ صابری نے ان کو اطلاع دیے بغیر باب مشیخت[2] کے تحت قائم کردہ دارالحکمت اسلامیہ[3] کا رکن بنا لیا۔ یہ استاد کی علمی صلاحیت کا کھلا اعتراف تھا۔ دارالحکمت اسلامیہ ایک قسم کی علمی اکادمی تھی جس سے اس وقت کے ممتاز اہل علم اسمٰعیل حقی ازمیرلی (۱۸۶۸ء تا ۱۹۴۶ء)، المالیلی حمدی متوفی ۱۹۴۲ء، عمر فرید قام (۱۸۶۱ء تا ۱۹۴۴ء) اور ترکی کے شاعر اسلام محمد عاکف (۱۸۷۳ء تا ۱۹۳۶ء) جیسی ہستیاں وابستہ تھیں۔ محمد عاکف اس اکادمی کے سکرٹری تھے۔ استاد کی دارالحکمت اسلامیہ میں شرکت کو ان تمام حضرات نے پسند کیا۔

دارالحکمت اسلامیہ کا کام اگرچہ علمی نوعیت کا تھا لیکن اس منصب کو قبول کرنے میں استاد سعید نورسی کی

---

[1] باسفورس کے کنارے ایشیائی ساحل پر ایک تفریحی مقام ہے۔ چام ترکی میں صنوبری قسم کے درختوں یعنی فر اور پائن کو کہتے ہیں۔ چاملیجہ کے معنی چام کے درختوں کا جھنڈ ہیں۔

[2] باب مشیخت، شیخ الاسلام کے دفتر کو کہتے ہیں۔

[3] ترکی میں حال ہی میں دارالحکمت اسلامیہ کی ایک تاریخ شائع ہوئی ہے جس کا نام "آخری دور کی اسلامی اکادمی: دارالحکمت اسلامیہ" ہے۔ یہ کتاب صادق البائرق کی مرتب کردہ ہے اور ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

راہ میں دو مشکلات تھیں۔ اوّل یہ کہ ادارہ سرکاری تھا۔ اور استاد اس سے وابستگی کو اپنی آزادانہ رائے کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ ان کی راہ میں دوسری رکاوٹ تنخواہ کا مسئلہ تھا۔ وہ اصولی طور پر اس بات کے خلاف تھے کہ اسلام کی خدمت تنخواہ کے عوض انجام دیں۔ انہوں نے خود کو حق و صداقت، ملت اور وطن کے لیے وقف کر دیا تھا اور وہ اپنی کسی خدمت کا معاوضہ نہیں چاہتے تھے۔ اشرف ادیب لکھتے ہیں کہ استاد نے بڑے اصرار کے بعد یہ رکنیت منظور کی۔ رکن بن جانے کے بعد بھی ایک مدت تک یہ مسئلہ ان کے لیے الجھن کا باعث بنا رہا۔ انہوں نے دارالحکمت سے مستعفی ہونے کی کوشش بھی کی لیکن اپنے عقیدت مندوں کے اصرار پر ارادہ ترک کر دیا اور دارالحکمت میں کام جاری رکھا۔ بہرحال وہ جب تک اس ادارے سے وابستہ رہے انہوں نے ضمیر کے خلاف کبھی کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ ان کو اس دوران گراں قدر مشاہرہ ملتا رہا لیکن وہ اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتے تھے۔ اس زمانے میں انہوں نے جو علمی مضامین لکھے وہ اشرف ادیب کے مشہور ہفت روزہ "سبیل الرشاد" میں شائع ہوئے۔

دارالحکمت اسلامیہ استاد کے بھتیجے مرحوم عبدالرحمٰن، جو ایک دلیر اور محنتی عالم بھی تھے اور جن کے ساتھ سعید نورسی رہتے تھے، کہتے ہیں کہ استاد اپنی تنخواہ میں سے صرف ضرورت کے لائق رکھ لیتے تھے۔ باقی رقم میرے پاس جمع کرا دیتے تھے۔ ایک مدت کے بعد اس جمع شدہ رقم سے انہوں نے اپنی بارہ کتابیں چھپوائیں اور ان کو مفت تقسیم کر دیا۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ ان کتابوں کو قیمتاً فروخت کیوں نہیں کرتے تو جواب ملا کہ:

> "تنخواہ میں سے میرے لیے صرف قوتِ لایموت (یعنی اتنی روزی کہ موت واقع نہ ہو) کی حد تک جائز ہے۔ باقی رقم ملت کا مال ہے۔ اس طریقے سے (یعنی کتابوں کو مفت تقسیم کر کے) میں اس مال کو ملت کو واپس کر رہا ہوں۔"

دارالحکمت اسلامیہ میں ملازمت کے دوران استاد بدیع الزمان کو بعض اوقات رکاوٹوں اور دباؤ کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا تھا جو ان کے لیے باعث پریشانی ہوتا تھا۔ وہ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر جھکانا نہیں جانتے تھے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ وہ سر سے کفن باندھے پھرتے ہیں اور ہر خطرے میں پڑ کر موت سے آنکھیں چار کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہر قسم کے سیاسی دباؤ کا فولادی عزم سے مقابلہ کیا، غلط فتووں کا بے خوفی سے جواب دیا، اسلام ملت اور ملک کے خلاف ہر نقصان وہ تحریک کا

مردانہ وار مقابلہ کیا اور اناطولیہ کی تحریک آزادی کی تائید و حمایت کی۔ انہوں نے تقریریں کیں، مضامین لکھے اور کتابیں شائع کیں۔

استنبول پر اتحادیوں کا قبضہ استنبول میں سعید نورسی کے قیام کا یہ زمانہ نہ صرف ترکی کی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا بلکہ استاد کے لیے بھی انتہائی ذہنی پریشانی کا زمانہ تھا۔ جنگ میں ترکوں کو شکست ہو چکی تھی۔ ۳۰ راکتوبر ۱۹۱۸ء کو جنگ بند کر دی گئی۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۲۰ء کو عثمانی پارلیمنٹ کا آخری اجلاس ہوا اور ۱۶ر مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادی فوجیں استنبول میں داخل ہو گئیں۔ یونانی، ترکی کے مشرقی ساحل پر پہلے ہی فوجیں اتار چکے تھے جو ازمیر اور بروصہ پر قبضہ کرنے کے بعد اسکی شہر تک بڑھ چکی تھیں۔ دشمنوں کی کوشش تھی کہ ترکی کو نہ صرف اس کے مقبوضات سے محروم کر دیا جائے بلکہ خود ترکی وطن کے بھی ٹکڑے کر دیے جائیں۔ ان حالات کی وجہ سے سعید نورسی بہت افسردہ اور ملول رہتے تھے۔ اسلام کے قلب پر غیروں کے قبضے نے ان کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ رنج و غم میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ہر وقت سوچ اور غور و فکر میں مصروف رہتے اور ساتھیوں سے کہتے: "ان حالات میں میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرے پاس اس درد کی کوئی دوا نہیں۔ میں اپنے ذاتی رنج و غم کو تو برداشت کر سکتا ہوں، مگر اہل اسلام کے مصائب نے مجھ کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام پر جو ضرب پڑی ہے وہ پوری قوت سے میرے قلب پر پڑی ہے۔ مگر میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے ایک روشنی نظر آتی ہے۔ ظلم و جبر کے یہ کالے بادل جو عالم اسلام پر چھائے ہوئے ہیں چھٹ جائیں گے اور اس کے بعد نور ہی نور پھیل جائے گا۔"[۱]

اسی زمانے انگریزوں نے کلیسائے انگلستان کی وساطت سے ترکی کے شیخ الاسلام کی طرف چھ سوالات بھیجے اور درخواست کی کہ ان کا جواب چھ سو الفاظ میں دیا جائے۔ اس وقت کے شیخ الاسلام نے یہ چھ سوال

---

[۱] اقبال نے اسی زمانے میں اپنی نظم شمع و شاعر میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے (بانگ درا)

استاد بدیع الزمان کی طرف بھیج دیے۔ استاد نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ سوالات چھ سو الفاظ میں تو کیا ایک لفظ میں بھی جواب دینے کے لائق نہیں، بلکہ سوال کرنے والوں کے منہ پر تھوک دینا ان کا واحد جواب ہے۔ انگریز اس جواب پر بھڑک اُٹھے اور آپ کو سزائے موت دینا چاہی، لیکن اناطولیہ میں تحریکِ آزادی شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ فیصلہ منسوخ کر دیا گیا۔ استاد کا موقف یہ تھا کہ انگریزوں کا بشپ ہم سے ایک ایسے وقت میں سوال کر رہا ہے جبکہ ہماری گردن انگریزوں کے پاؤں کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ ان حالات میں ان سوالوں کا یہی جواب ہو سکتا ہے۔ بہرحال استاد نے مذکورۂ بالا زبانی جواب کے ساتھ چھ سطروں میں ان سوالوں کے جواب بھی شیخ الاسلام کو بھجوا دیے۔ ان میں سے بعض سوال اور ان کے جواب یہ ہیں:

۱۔ **سوال:** محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب کیا ہے؟

جواب: قرآن، اور ایمان کے چھ ارکان، اور اسلام کے پانچ ارکان۔

۲۔ **سوال:** زندگی میں اس عقیدے (یعنی اسلام) سے کیا مدد ملتی ہے؟

جواب: اتحاد اور صراطِ مستقیم۔

۳۔ **سوال:** ان عقائد سے انسانیت کا کس طرح علاج ہو سکتا ہے؟

جواب: ربا کو ختم کر کے اور زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے۔

۴۔ **سوال:** انسانی انتشار کو اسلام کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے؟

جواب: دولت غیر منصفانہ طریقے پر جمع کی جاتی ہے اور ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں دی جاتی جو عدل کرنے والے ہوں[1]۔

تحریکِ آزادی | جب اناطولیہ میں تحریکِ آزادی[2] شروع ہوئی تو مقبوضہ استنبول کے شیخ الاسلام دُرّی زادہ نے

[1] ماہنامہ "نور" (انگریزی)، شائع کردہ رسالۂ نور انسٹی ٹیوٹ امریکہ۔

[2] مصطفیٰ کمال ۱۹ رمئی ۱۹۱۹ء کو بحیرۂ اسود کی بندرگاہ سامسون (SAMSUN) پہنچے۔ جولائی سے ستمبر تک ارضِ روم میں اور پھر سیواس میں قومی رہنماؤں کے اجتماعات ہوئے جن میں قومی حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۳ راپریل ۱۹۲۰ء کو انقرہ میں مجلس کبیر ملی کا افتتاح ہوا جس نے عثمانی پارلیمنٹ کی جگہ لے لی۔

اس مفہوم کا فتویٰ دیا کہ یہ قومی جدوجہد بادشاہ کے خلاف بغاوت ہے اور اس میں شریک ہونے والے باغی ہیں۔ استاد سعید نورسی نے اس کی مخالفت کی اور فتویٰ دیا کہ ایک ایسی حکومت کا جو مقبوضہ علاقہ میں ہو اور جو انگریزوں کے دباؤ میں ہو اس کا حکم اور وہاں کے علماء کا فتویٰ جائز نہیں۔ دشمن کے خلاف تحریک چلانے والے باغی نہیں ہیں اس لیے یہ فتویٰ واپس لیا جائے۔

اس زمانے میں برطانوی حکومت نے بعض علماء کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا چاہا۔ اس نازک موقع پر استاد بدیع الزمان سعید نورسی نے دارالحکمت الاسلامیہ کے رکن کی حیثیت سے علماء اور عوام دونوں کو برطانیہ کے عزائم سے خبردار کیا۔ انہوں نے تحریک آزادی کو تقویت دینے کے لیے تقریریں کیں اور مضامین لکھے۔ اس ضمن میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ "الخُطُواتِ السِّتۃ" نامی کتابچے کی تصنیف ہے۔ یہ کتابچہ خفیہ طریقہ پر شائع کیا گیا اور استاد کے بھتیجے اور ترک طلبہ نے اس کو عوام میں پھیلایا۔ اس کتابچے نے برطانوی منصوبے کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اس کو ناکام بنا دیا۔ کتاب کا پورا نام "خطوات الستۃ فی دسائس و وساوس شیاطین الانس" تھا اور عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔

انقرہ کی حکومت نے استاد کی ان خدمات کو پسندیدہ نظر سے دیکھا۔ استاد نے مقبوضہ استنبول میں رہتے ہوئے جس دلیرانہ انداز میں تحریک آزادی کی حمایت کی اس کا نہ صرف اعتراف کیا گیا بلکہ اُن کو انقرہ آنے کی دعوت بھی دی گئی۔ لیکن استاد نے اس دعوت نامے کے جواب میں لکھا کہ:

"میں خطرناک جگہ پر رہ کر جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ پناہ گاہ کے پیچھے رہ کر جہاد کرنا مجھے پسند نہیں۔ یہ جگہ (استنبول) میرے خیال میں زیادہ خطرناک ہے اور یہاں کا کام بھی ابھی نامکمل ہے۔ یہ خطرہ ٹل جانے کے بعد انشاء اللہ انقرہ آؤں گا۔"

انقرہ کی حکومت نے سعید نورسی کو تین مرتبہ دعوت دی۔ بالآخر آپ نے تیسری دعوت قبول کر لی جو ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو انقرہ میں مجلس کبیر ملی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لیے دی گئی تھی۔ استاد جب انقرہ پہنچے تو ان کا وہاں شاندار استقبال کیا گیا۔ انہوں نے محلہ حاجی بیرم[ؒ] کے نواح میں رہائش اختیار کی۔ مجلس کبیر ملی کا

ؒ حاجی بیرم، انقرہ کا ایک قدیم محلہ ہے جو ترکی کے ایک مشہور بزرگ حاجی بیرم ولی (۱۳۳۲ء تا ۱۴۲۹ء) کے نام پر حاجی بیرم کہلاتا ہے۔ حاجی بیرم کا مزار اور مسجد بھی اسی محلے میں ہے۔ یہ محلہ انقرہ میں اسلام پسندوں کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔

افتتاح ہوا تو ارکانِ مجلس کی درخواست پر آپ نے دعا کی۔

انقرہ میں قیام کے دوران سعید نورسی نے مشرقی ترکی میں اعلیٰ تعلیم کی دینی درس گاہ کے قیام کے مسئلے کو ایک بار پھر اٹھایا۔ اس درس گاہ کا قیام جنگِ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ اس موضوع پر جب مجلس میں بحث ہوئی تو استاد نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"مشرقی صوبے اسلام کے گڑھ ہیں۔ ان کے لیے جدید علوم کی طرح دینی علوم کی بھی ضرورت ہے۔ یہ بات کہ انبیاء زیادہ تر مشرق میں ہوئے ہیں اور فلسفی زیادہ تر مغرب میں، اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ مشرق میں ترقی کی مشین کے لیے جس ایندھن کی ضرورت ہے وہ مذہب ہے۔"

مشرقی ترکی میں چونکہ کرد آبادی بھی کافی ہے اس لیے استاد نے اس موقع پر خبردار کیا کہ اگر ان علاقوں میں دینی تعلیم کا بندوبست نہ کیا گیا تو ایک ایسے وقت میں جبکہ ہمیں اتحاد اور باہمی تعاون کی ضرورت ہے، ترکی کے غیر ترک باشندے ترکوں کو خلوصِ دل سے اپنا بھائی نہیں سمجھیں گے۔

ارکان اسمبلی نے استاد کی تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا اور دو سو ارکان میں سے ۱۶۳ ممبروں نے ان کی تجویز منظور کر لی اور مشرقی ترکی میں دینی یونیورسٹی کے لیے ڈیڑھ لاکھ لیرا کی رقم مخصوص کر دی۔

استاد سعید نورسی انقرہ آ تو گئے تھے لیکن مجلس ملی میں دین کے خلاف باتوں نے اور شعائرِ اسلام کی طرف سے حکومت کے رہنماؤں اور ارکانِ اسمبلی کے طرزِ عمل اور سرد مہری نے ان کو جلد ہی مایوس کر دیا۔ اس موقع پر انہوں نے ایک بیان جاری کیا جس میں ارکان اسمبلی کی توجہ نماز کی اہمیت کی طرف مبذول کرائی اور مختلف نصیحتیں کیں۔ اس بیان کی پیشانی پر یہ جملہ درج تھا:

"اے ارکان مجلس یاد رکھو کہ ایک دن تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے"۔

قومی اسمبلی میں اس بیان کو جنرل کاظم قرہ بکر[1] پاشا نے پڑھ کر سنایا۔ اس کا اس قدر اثر ہوا کہ ترکی پارلیمنٹ

---

[1] جنرل کاظم قرہ بکر پاشا ترکی کی جنگ آزادی کے معماروں میں سے ہیں۔ جنگِ عظیم کے آخری سالوں میں قفقاز کا محاذ انہی کے سپرد تھا۔ چنانچہ ترک ان کو فاتح شرق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کاظم قرہ بکر پہلے شخص تھے جنہوں نے مشرقی ترکی میں آزادی کی تحریک شروع کی۔ ۱۹۳۳ء میں اس موضوع پر انہوں نے استقلال حرب امیز (ISTIKLAL HARB IMIZ) یعنی "ہماری جنگ آزادی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جسے حکومت ترکی نے اسی سال ضبط کر لیا۔ لیکن اب یہ کتاب پھر شائع ہو گئی (باقی بر صفحہ ۳۱)

میں نماز پڑھنے والے ارکان میں ساٹھ کا اضافہ ہوگیا۔ نماز کا کمرہ چھوٹا پڑ گیا اور نماز کے لیے ایک بڑا ہال مخصوص کرنا پڑا۔

مصطفیٰ کمال اور سعید نورسی ایک دن استاد کی مصطفیٰ کمال سے ملاقات[1] ہوگئی۔ مصطفیٰ کمال نے ان سے کہا کہ "ہمیں آپ جیسے دلیر عالم دین کی ضرورت ہے۔ ہم نے آپ کے افکار عالیہ سے استفادہ کرنے کے لیے آپ کو انقرہ بلایا تھا۔ آپ آ بھی گئے۔ لیکن آپ نے کام کا آغاز نماز سے کیا۔ یہ انفرادی فرض ہے۔ کسی کے ضمیر میں مداخلت نہیں کی جا سکتی"۔

استاد سعید نورسی نے جواب میں کہا، "جی ہاں ایسا ہی ہے۔ لیکن میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ جو شخص اللہ کا فرض ادا نہ کرے وہ ملت کے فرائض کو صحیح طور پر انجام دے سکے گا۔ انفرادی صورت میں ہر شخص اپنے ضمیر کے آگے جواب دہ ہے لیکن افراد جب اجتماعی شکل اختیار کر لیں تو فرائض کی نوعیت بھی اجتماعی ہو جاتی ہے۔ ملت کے نمائندوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اعمال کو ملت کے دین کے مطابق ڈھالیں۔ اگر وہ ملت کے دین کے تحفظ میں کوتاہی کریں گے تو وہ جلادت اور شہامت کا مظاہرہ نہیں کر سکیں گے۔ اگر ایک فرد اور بالخصوص قوم کے نمائندے اللہ کی عبادت نہیں کرتے تو پھر ان کو دوسرے بندوں کی عبادت کرنے سے کون سی چیز روک سکے گی؟ اللہ کی عبادت دلوں کو حوصلہ دیتی ہے۔ انسان کو انسان کے آگے جھکنے سے روکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو انسان کے آگے جھکنے سے روکنے کے لیے، اور نمائندگان ملک و قوم کو ہر کسی کا غلام بن کر قوم کے مستقبل سے غفلت نہ برتنے کے لیے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور فرائض الٰہی کی بجا آوری کریں"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن گیارہ سو صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں جب ازمیر میں مصطفیٰ کمال کے قتل کی سازش کا انکشاف ہوا تو حزب اختلاف کی ترقی پرور پارٹی کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ کاظم قرہ بکر کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن جب عدالت نے کوئی ثبوت نہ پایا اور عوام نے ان کی رہائی کے لیے زبردست مظاہرے کیے تو ان کو رہا کر دیا گیا۔ مصطفیٰ کمال کے بعد ۱۹۳۹ء میں وہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

[1] حاشیہ صفحہ ہذا۔ یہ ملاقات نماز سے متعلق استاد کے بیان کے چند روز بعد ایک اجتماع میں ہوئی تھی جس میں مجلس ملی کے پچاس ساٹھ ارکان موجود تھے۔

مصطفےٰ کمال نے استاد کی تائید کی اور کہا کہ میری بھی خواہش ہے کہ قوم کا ہر نمائندہ اللہ کا اور قوم کا فرض ادا کرے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد مصطفےٰ کمال اور استاد میں مفاہمت ہوگئی اور قومی اسمبلی نے جامعہ ترقی کے لیے، جسے استاد مشرقی اناطولیہ میں قائم کرنا چاہتے تھے، ایک لاکھ ستر ہزار[1] طلائی لیرا کی جو رقم مخصوص کی تھی وہ مصطفےٰ کمال کی رضامندی سے منظور کی گئی۔

مصطفےٰ کمال کی حکومت نے استاد کی تائید و حمایت حاصل کرنے کے لیے اور بھی کوششیں کیں۔ مثلاً ان کو مشرقی ترکی کا رئیس المبلّغین بنانے، دار الحکمتِ اسلامیہ کا صدر بنانے اور رہائش کے لیے ایک شاندار کوٹھی دینے کی پیش کش بھی کی گئی۔ لیکن استاد جانتے تھے کہ یہ سب کچھ ان کے ضمیر کو خریدنے کے لیے کیا جارہا ہے اور انقرہ کی حکومت کے ارکان اسلام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حکومت مسلسل ایسی کارروائیاں کررہی تھی جن میں وہ حکام سے تعاون نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ استاد نے یہ تمام پیش کشیں رد کردیں اور انقرہ چھوڑنے کا عزم کرلیا۔

استاد سعید نورسی جب انقرہ سے رخصت ہوئے تو مجلس کبیرِ ملّی کے بہت سے ارکان ان کو الوداع کہنے کے لیے اسٹیشن تک آئے اور انھوں نے استاد کو روکنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن استاد حالات سے اتنے بد دل ہوچکے تھے کہ انھوں نے کوئی بات نہیں سنی اور انقرہ سے روانہ ہوگئے۔ وہ ایک بار پھر وان چلے گئے جہاں وہ استنبول جانے سے پہلے اپنی جوانی کے پندرہ بہترین سال گذار چکے تھے۔ یہاں وہ ایرک داغ (EREK DAG) نامی پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ زرنباد سویو (ZERNEBAD SUYU) کے کنارے ایک چھوٹے سے غار میں گوشہ نشین ہوگئے۔

یہ واقعہ ۱۹۲۱ء کا ہے۔

اس کے بعد استاد صرف ایک بار اور انقرہ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ترکوں کو یونانیوں پر فتح حاصل ہوچکی تھی اور ترک فتح کا جشن منا رہے تھے۔ لیکن خوشی اور مسرت کے اس موقع پر ہر طرف غیر دینی افکار کا غلبہ دیکھ کر ان کو شدید رنج پہنچا۔ وہ قرآن اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے عربی میں ایک کتاب شائع کرنے کے بعد ۱۹۲۳ء کے موسم بہار میں پھر واپس چلے گئے۔

[1] ترکی کتابوں میں رقم کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہیں ڈیڑھ لاکھ لیرا لکھا ہے اور کہیں ایک لاکھ ستر ہزار لیرا۔

سعید جدید | استاد سعید نورسی اب سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو چکے تھے۔ انہوں نے اخبار پڑھنا بھی بند کر دیا۔ اور اپنا تمام وقت عبادت و ریاضت میں یا درس و تدریس میں صرف کرنے لگے۔ یہ ان کی زندگی کا ایک نیا موڑ تھا۔ اور وہ خود اس دَور سے قبل کے سعید کو سعیدِ قدیم اور بعد کے دور کے سعید کو سعیدِ جدید کہنے لگے۔ اس دَور کا آغاز انہوں نے اس جملے سے کیا:۔

اعوذ باللہ من الشیطان والسیاست

یعنی میں شیطان اور سیاست دونوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

استاد بدیع الزمان نورسی ویسے تو فطری طور پر زاہدانہ طبیعت رکھتے تھے، لیکن استنبول میں قیام کے زمانے میں انہوں نے خود کو سیاست میں ملوث کر لیا تھا۔ لیکن اب وہ اس راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹ گئے۔ دراصل روس میں قید کے دوران اور افسردہ ماحول کے زمانے ہی میں ان کے خیالات میں تبدیلیاں آنی شروع ہو گئی تھیں۔ اس دنیا کی عارضی زندگی کو وہ بے حقیقت سمجھنے لگے تھے اور وہ اب خود کو زہد و ریاضت کے لیے وقف کر دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی اس ذہنی تبدیلی کا حال اپنی کتابوں میں متعدد جگہ بیان کیا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"والگا کے کنارے مسجد میں جو راتیں میں نے گذاریں اُن میں اس فیصلے پر پہنچا کہ اب مجھے باقی زندگی غاروں میں گذارنی چاہیے۔ کیونکہ بالآخر مجھے قبر کی تاریکی میں جانا ہے۔ اس لیے مجھے خود کو تنہائی کا خوگر بنا لینا چاہیے۔ بدقسمتی سے استنبول میں ملاقاتیوں کی کثرت، دنیوی زندگی کے طمطراق اور اس کی لغویات یعنی شہرت اور اعزازات نے، جن کا میں مستحق نہیں تھا، کچھ مدت کے لیے مجھے اپنے اس فیصلے پر عمل کرنے سے غافل کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وطن سے جدائی کی وہ تاریک راتیں (یعنی جو انہوں نے دریائے والگا کے کنارے گذاریں) میرے لیے بڑی روشن تھیں، بالکل اسی طرح جس طرح آنکھ کی پتلی اپنی سیاہی کے باوجود روشنی کا مرکز ہوتی ہے اور استنبول کے دنوں کی شان و شوکت ڈھیلے کی سفیدی کی طرح تھی جس سے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس اندھے پن کی وجہ سے میں راستہ نہیں دیکھ سکا اور پھر دو سال کے لیے سو گیا، یہاں تک کہ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب فتوح الغیب کے ذریعے میری آنکھیں پھر کھول دیں[1]۔"

دارالحکمت میں ملازمت کے زمانے میں فتوح الغیب کے جس جملے نے ان کی زندگی کو متاثر کیا وہ

---

[1] تاریخچۂ حیات مرتبہ سعید از دمیر و تحسین تولا ص ۷۳-۷۴۔

یہ تھا کہ:

"تم خود ایک مریض ہو اپنے علاج کے لیے کسی طبیب کی تلاش کرو۔"

اسی زمانے میں جب استاد سعید نورسی مکتوبات مجدد الف ثانی کا مطالعہ کر رہے تھے تو ان کو ایک اور شگون مل گیا جس سے فتوح الغیب کے مشورے کو تقویت ملی۔ حضرت مجدد الف ثانی کے دو مکتوبات اُن کی نظر سے گزرے جو بدیع الزمان نام کے دو آدمیوں کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوط میں حضرت مجدد نے ایک کو بدیع الزمان ابن مرزا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ سعید نورسی کے والد کا نام بھی مرزا تھا۔ اس لیے استاد نے اس سے یہ مطلب اخذ کیا کہ یہ خط دراصل خود ان کو لکھے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس نوعیت کے علاج کے محتاج تھے جس کا محتاج وہ اصل شخص تھا جس کو مجدد الف ثانی نے خط لکھا تھا۔ استاد لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مجدد نے اپنے خطوط میں ایک سالک اور رہنما کے تحت زندگی گزارنے کی ہدایت کی ہے اور میں نے اس کی تعمیل میں قرآن کو اپنا رہنما بنا لیا۔"[۱]

یہ تھا پس منظر استاد سعید نورسی کی سیاست سے علیحدگی اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کا۔ ہو سکتا ہے کہ عہد مشروطیت میں ان کو شریعت کے نام پر کام کرنے کی جو سزا دی گئی تھی اور جمہوریت کے قیام کے بعد حکومت ترکی نے جو اسلام دشمن طرز عمل اختیار کیا، وہ بھی استاد کے ذہن و فکر پر اثر انداز ہوا ہو اور انہوں نے نئے ماحول میں سیاسی میدان میں کام کرنے کو ایک کار عبث سمجھ کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہو۔

بہر حال وجہ کچھ بھی رہی ہو یہ حقیقت ہے کہ استاد سعید نورسی اب سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے ترکی کے ایک دور افتادہ گوشے میں خلوت گزیں ہو چکے تھے۔ لیکن ترکی کی جمہوری حکومت کو ان کی یہ گوشہ نشینی بھی پسند نہیں آئی اور ۱۹۲۵ء میں ان کو وہاں سے نکال کر مغربی ترکی میں جلاوطن کر دیا گیا جہاں ان کو پچیس (۲۵) سال تک طرح طرح کے مصائب اور اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ ایک گوشہ نشین عابد و زاہد کو جس نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی کیوں جلاوطن کیا گیا؟ اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ کیوں توڑے گئے؟ اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں کچھ دیر کے لیے استاد کے حالات سے ہٹ کر اس زمانے کی ترکی کے حالات اور پس منظر پر نظر ڈالنی ہوگی۔

---

[۱] BEDIUZZAMAN SAID NOORSI OF TURKEY